مذہب اور سائنس

از

سیدنا حضرت میرزا بشیرالدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

مذہب اور سائنس

(حضرت فضل عمر خلیفۃ المسیح الثانی نے ۳۔ مارچ ۱۹۲۷ء کو زیر صدارت جناب ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب، اسلامیہ کالج کی سائنس یونین کی درخواست پر حبیبیہ ہال لاہور میں "مذہب اور سائنس" پر لیکچر دیا۔)

تشہّد و تعوّذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

جیسا کہ اشتہار میں شائع کیا گیا ہے اس مجلس میں مَیں مذہب اور سائنس کے متعلق کچھ بیان کروں گا۔ بادی النظر میں اس مضمون پر بحث کے لئے ایک ایسے آدمی کا کھڑا ہونا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے جو ان دونوں علوم کے متعلق کامل واقفیت رکھتا ہو۔ مَیں عمر کے بیشتر حصہ کو اور اوقات میں سے اکثر وقت کو مذہب کی تحقیق میں صرف کرتا ہوں اور میرے لئے سائنس کے متعلق باریک مطالعہ کے لئے ایسی فرصت کا ملنا ناممکن ہے جو کسی فن کا ماہر ہونے کے لئے ضروری ہے۔ مگر اس امر کے باوجود جو بحث کرنی ہے وہ چونکہ اصول کے متعلق ہے اس لئے میں نے اس مضمون پر لیکچر دینا منظور کر لیا ہے۔

مذہب اور سائنس کا تصادم

مذہب اور سائنس کا مقابلہ بہت پرانا چلا آتا ہے۔ ترقیٔ انسانی کے مختلف دوروں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقابلہ ہمیشہ سے چلا آیا ہے۔ سائنس کے ماہروں کو جادوگر کہا گیا، ان پر سختی کی گئی، بعضوں کو جلایا گیا اور طرح طرح کے ظلم اُن پر مذہب کے حامیوں کی طرف سے کئے گئے۔ اسی طرح مذاہب کے بانیوں کو سائنس دان اور فلسفی مجنون کہتے چلے آئے۔ ان کو ہمیشہ مرگی، ہسٹیریا اور مالیخولیا کے مریض تصور کرتے رہے۔ چنانچہ سائنس کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں پر مذہبی لوگوں کے مظالم بخوبی روشن ہیں اور مذہب کی تاریخ کو جاننے والوں کو فلسفیوں کے یہ ناموزوں القاب

خوب معلوم ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ یہ مقابلہ کیوں ہے اور یہ تصادم کس وجہ سے ہے؟ آیا کوئی معقول وجہ اس بات کی ہے کہ سائنس مذہب سے ٹکرائے۔ کیا مذہب واقعی سائنس کے خلاف تعلیم دیتا ہے؟ اس بات کے فیصلہ کی آسان صورت کہ آیا ان دونوں میں حقیقی تصادم ہے یا نہیں یہ ہے کہ دونوں کی تعریف بتا دی جائے۔ یعنی مذہب کسے کہتے ہیں اور سائنس کس چیز کا نام ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ دو شخص جھگڑ رہے ہوتے ہیں۔ ان دونوں کا نقطہ نگاہ ایک ہی ہوتا ہے۔ مگر الفاظ کی غلطی سے ٹھوکر لگ جاتی ہے۔ اور محض لفظی نزاع سے لڑائی شروع ہو جاتی ہے۔ مولانا روم اپنی مثنوی میں ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ چار شخص اکٹھے جا رہے تھے۔ انہوں نے ملکر مزدوری کی جس کے عوض میں انہیں کچھ پیسے ملے۔ اس پر انہوں نے مشورہ کیا کہ ان پیسوں سے کیا چیز خرید کر کھائی جائے۔ ایک نے کہا۔ ہم تو منقہ خریدیں گے۔ دوسرے نے کہا نہیں ہم تو عِنَب لیں گے۔ تیسرا بولا ہمیں تو انگور بہت پسند ہیں۔ اور چوتھا کہنے لگا۔ مَیں تو داکھ کھاؤں گا۔ اس اختلاف پر ان میں جھگڑا ہو گیا۔ پاس سے ایک شخص گزرا۔ اس نے جھگڑے کا سبب دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ چیز ایک ہی ہے۔ محض لفظی نزاع ہے۔ اور زبانوں کے اختلاف سے مختلف نام لے رہے ہیں۔ اس نے بازار جا کر انگور خریدے۔ اور ان کے آگے رکھ دیئے۔ سب نے مل کر کھائے اور اس راہ گزر کی عقلمندی کی داد دی۔ پس معلوم ہوا کہ بعض دفعہ دو چیزوں میں حقیقی تصادم نہیں ہوتا کیونکہ چیز ایک ہی ہوتی ہے اور محض الفاظ کے اختلاف کی وجہ سے ٹکراؤ معلوم ہوتا ہے۔

مذہب کی تعریف

مذہب کی تعریف یہ ہے۔ خدا تعالیٰ سے ملنے کا وہ راستہ جو خود اس نے الہام کے ذریعہ دنیا کو بتایا ہو۔ مذہب کے معنی ہی عربی زبان میں راستہ کے ہیں اور دین کے معنی ہیں طریقہ۔

سائنس کی تعریف

سائنس کی اصولی تعریف یہ ہے۔ وہ علوم جو منظم اصول کے ماتحت ظاہر ہوئے ہوں اور ظاہری صداقتوں سے جن پر استدلال کیا گیا ہو یا پھر اس سے مراد وہ مادی حقائق ہیں جن کی بنیاد مشاہدہ اور تجربہ پر ہو۔ یعنی استدلال صحیحہ سے بعض حقائق معلوم کئے جائیں۔

مذہب اور سائنس کی اس تعریف کے ماتحت کیا تصادم ممکن ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر مذہب اور سائنس کی یہی تعریف ہے جو ابھی بتائی گئی ہے تو پھر ان دونوں میں تصادم نہیں اور تصادم نہیں ہو سکتا۔ مذہب کی حقیقی تعریف یہی ہے ورنہ مذہب سائنس کے تصادم سے بچ نہ سکے

گا۔ مثلاً اگر مذہب کی یہ تعریف کی جائے کہ انسان کے دماغ کی وہ ارتقائی حالت جس پر پہنچ کر وہ علمی ارتقاء سے بعض ایسی باتیں معلوم کرلیتا ہے جو دوسرے معلوم نہ کر سکتے تھے۔ یعنی دوسرے لفظوں میں یہ کہا جائے کہ مذہب قلب غیر عامل (SUB CONCINNOUS MIND) کی نشوونما (DEVELOPMENT) کا نتیجہ ہے تو سائنس کا دائرہ بھی یہی ہو گا۔ یعنی وہ علوم جو غور و فکر کا نتیجہ ہوں اور اس تعریف کے ماتحت مذہب اور سائنس کا دائرہ الگ الگ نہیں ہو سکتا۔ اور اگر مذہب کے یہ معنی ہیں کہ وہ خیالات جو جذبات کا نتیجہ ہوں اور کسی اصول پر ان کی بنیاد نہ ہو تو وہ واہمہ اور قوت متخیلہ کا نتیجہ ہیں نہ کہ مذہب۔ ان کو تو زیادہ سے زیادہ لطائف کہہ سکتے ہیں جن پر بحث کی ضرورت نہیں۔ بس مذہب اگر قلب کے اُن خیالات کا نام رکھا جائے جو سب کانشس مائینڈ (SUB CONCINNOUS MIND) کے ارتقاء کا نتیجہ ہوں تو وہ سائنس ہی ہے اور مذہب سے جدا نہیں۔ ہاں اگر کوئی ایسی بات ہو جس کی بنیاد علم پر نہ ہو۔ محض دل کے خیالات ہوں تو وہ وہم ہے اور غیر حقیقی چیز ہے نہ کہ مذہب۔

مذہب اور سائنس میں فرق

مذہب اُن صداقتوں کا نام ہے جو لقائے الٰہی سے متعلق ہیں۔ اور ان کا علم کائنات عالم کے صانع نے الہام کے ذریعہ دیا ہے۔ اور سائنس اُن نتائج کا نام ہے جو کائنات عالم پر انسان خود غور کرکے اور تدبّر کرنے کے بعد اخذ کرتا ہے۔ گو مذہب کے بعض حقائق بھی عقل سے معلوم ہو سکتے ہیں مگر سائنس کی بنیاد محض غور و فکر اور تجربہ و مشاہدہ پر ہے۔

اب اِس تعریف کے ماتحت مذہب اور سائنس میں مقابلہ ہی کوئی نہیں۔ کیونکہ مذہب خدا کا کلام ہے۔ اور سائنس خدا کا فعل۔ اور کسی عقلمند کے قول اور فعل میں اختلاف نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر کوئی جھوٹا ہو یا پاگل ہو تو اختلاف ہو گا۔ خدا کے متعلق دونوں باتیں ممکن نہیں کیونکہ خدا ناقص العقل یا ناقص الاخلاق نہیں۔ پس خدا کے قول اور فعل میں فرق نہیں اسی لئے مذہب اور سائنس میں بھی تصادم نہیں۔

اِس جگہ سوال ہو سکتا ہے۔ کیا واقعی خدا موجود ہے جو کلام کرتا ہے؟ مگر اس وقت خدا کے وجود پر بحث نہیں۔ اِس لئے فرض کرلو کہ خدا ہے اور اس کی طرف سے تعلیم بھی آئی ہوئی ہے۔ پس اگر واقع میں مذہب کوئی چیز ہے تو اس کا سائنس سے تصادم بھی نہیں ورنہ مذہب کا ہی انکار کرنا ہو گا۔ جب تک مذہب کا نام دنیا میں موجود ہے ماننا پڑے گا کہ خدا بھی ہے۔

تصادم کی وجہ

اگر مذہب اور سائنس میں تصادم ممکن نہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ ان میں مقابلہ چلا آیا ہے۔ آخر ان میں جو جھگڑا ہے اس کی کوئی وجہ ہونی چاہئے۔ کیا سائنس دانوں پر یونہی ظلم کئے گئے۔ ان کو بلا وجہ قتل کیا گیا اور جلایا گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تصادم حقیقی نہیں۔ سچا مذہب سائنس سے ہرگز نہیں ٹکراتا اور سچی سائنس مذہب کے خلاف نہیں ہو سکتی کیونکہ مذہب خدا کا قول ہے اور سائنس خدا کا فعل۔ پس خدا کے قول اور فعل میں حقیقی تصادم نہیں ہو سکتا۔ اگر تصادم ہو تو ماننا پڑے گا کہ یا تو مذہب کی ترجمانی غلط ہوئی ہے۔ (کیونکہ مذہبی احکام دینے والا تو نہ جھوٹا ہے اور نہ پاگل) یعنی لوگوں نے مذہب کو غلط سمجھا۔ یا پھر خدا کے فعل (سائنس) کے سمجھنے میں غلطی ہوئی۔ ورنہ مذہب اور سائنس دونوں مُنَزَّہٌ عَنِ الْخَطَاءِ ہستی کی طرف سے ہیں۔ جس کے قول اور فعل میں تضاد ممکن نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ ہمارے غلط INTERPRETATION (ترجمانی) کی وجہ سے تصادم ہوا ہے۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ ظرف کے ساتھ مل کر چیز نئی شکل اختیار کرلیتی ہے۔ مثلاً پانی ہے۔ اسے اگر گول برتن میں ڈالا جائے تو گول شکل اختیار کر لے گا اور اگر چپٹے برتن میں ڈالو تو چپٹا نظر آئے گا۔ یہی تقریر جو اس وقت میں کر رہا ہوں۔ اسے ہر شخص الگ الگ طرز پر بیان کرے گا۔ اور اس طرح میرے بیان میں اختلاف نظر آئے گا۔ مگر یہ ہماری اپنی سمجھ کا فرق ہو گا۔ گویا INTERPRETATION الگ الگ ہوں گے۔ پس مذہب اور سائنس میں تصادم ہو تو ماننا پڑے گا کہ یا تو خدا تعالیٰ کے قول کے سمجھنے میں غلطی لگی ہے۔ یا پھر خدا تعالیٰ کے فعل کے سمجھنے میں ٹھوکر لگی ہے۔ مثلاً پانی کے متعلق پہلے سائنس دانوں کا خیال تھا کہ یہ مفرد چیز ہے مگر اب ثابت ہوا ہے کہ یہ مرکب ہے۔ اس وجہ سے کیا پہلوں کو پاگل کہہ دو گے۔ فرض کرو قرآن کہتا کہ پانی مرکب ہے تو کیا سائنس دان اس وقت نہ کہتے کہ سائنس سے ٹکرا رہا ہے۔ حالانکہ اُس وقت سائنس کی ترجمانی میں وہ خود غلطی کھا رہے تھے۔

اسی طرح دنیا کی عمر قرآن سے ۷ ہزار سال ثابت نہیں۔ محض لوگوں نے ایسا سمجھ رکھا ہے۔ اب یہ بات سائنس کے خلاف ہے۔ مگر یہاں پر مذہب کے INTERPRETATION میں غلطی کی گئی ہے نہ یہ کہ قرآن حقیقی سائنس کے خلاف کہہ رہا ہے۔ حضرت محی الدین صاحب ابن عربی نے کتاب فتوحات مکیہ میں لکھا ہے کہ مجھے الہام کے ذریعہ بتایا گیا تھا کہ اہرام مصر لاکھ سال کے بنے ہوئے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ ہمارا دماغ بعض دفعہ خدا تعالیٰ کے فعل اور کبھی خدا تعالیٰ کے قول کے سمجھنے میں غلطی کر جاتا ہے جس سے سائنس اور مذہب میں اختلاف نظر آتا ہے ورنہ اگر واقعہ میں مذہب خدا کی طرف سے ہے اور سائنس اس کا فعل ہے تو پھر ٹکراؤ نہیں ہوگا۔ سائنس تو مذہب کی مؤید ہونی چاہئے نہ کہ خلاف۔ کیونکہ فعل ہمیشہ قول کا مؤید ہوا کرتا ہے نہ کہ مخالف۔ پس سائنس کی کوئی تحقیق مذہب کے خلاف نہیں ہوگی۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہے۔ خدا کے کلام کی آپ کے عمل سے تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے صحابہ نے دریافت کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیسے تھے۔ تو انہوں نے جواب دیا۔ کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنُ۔[1] آپ کے اخلاق وہی تھے جو قرآن نے بیان کئے ہیں۔ پس سچائی میں قول اور فعل ٹکراتے نہیں۔ اگر مذہب خدا کی طرف سے ہے تو سائنس ضرور اُس کی مؤید ہوگی۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کے کلام پر غور کرنے سے سائنس کی تائید ہوگی نہ کہ مخالفت۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ وَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ۔[2] یعنی خدا کے کلام میں جھوٹ نہیں ہو سکتا اس میں جتنا غور کرو گے سچائی ہی سچائی نکلے گی۔ پھر فرماتا ہے۔ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا۔[3] یعنی خدا کے عمل میں بھی غلطی نہیں ہے۔ گویا خدا کے کلام (مذہب) اور اس کے فعل (سائنس) پر جتنا بھی غور کرو گے کبھی اس کی بات کو اس کے عمل کے خلاف نہ پاؤ گے۔

قرآن اور سائنس

پس قرآن تو سائنس کی طرف بار بار توجہ دلاتا ہے۔ چہ جائیکہ اس سے نفرت دلائے۔ قرآن نے یہ نہیں کہا کہ سائنس نہ پڑھنا، کافر ہو جاؤ گے کیونکہ اسے اس بات کا ڈر نہیں ہے کہ لوگ علم سیکھ جائیں گے تو میرا جادو ٹوٹ جائے گا۔ قرآن نے لوگوں کو سائنس کی تعلیم سے روکا نہیں بلکہ فرماتا ہے۔ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔[4] غور کرو۔ زمین اور آسمان کی پیدائش میں۔ آسمان سے مراد سماوی (علوی) علوم اور زمین سے ارضی یعنی جی آلوجی (GEOLOGY)، بائی آلوجی (BIOLOGY)، آرکی آلوجی (ARCHEOLOGY) طبیعیات وغیرہ علوم مراد ہیں۔ اگر خدا کے نزدیک ان علوم کے پڑھنے کا نتیجہ مذہب سے نفرت ہوتا تو قرآن کہتا ان علوم کو کبھی نہ پڑھنا۔ مگر اس کے برخلاف وہ تو کہتا ہے، ضرور غور کرو، ان علوم کو پڑھو اور اچھی طرح چھان بین کرو کیونکہ اسے معلوم ہے علوم میں جتنی ترقی ہوگی اس کی تصدیق ہوگی۔

قرآن کریم کی یہ آیت بھی سائنس کی طرف توجہ دلاتی ہے۔ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِO الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِO [۵] فرمایا۔ زمین و آسمان کی پیدائش میں اور دن رات کے اختلاف میں عقلمندوں کے لئے نشان ہیں۔ زمین اور آسمان کی پیدائش میں غور کرنے سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ کوئی چیز فضول اور بے فائدہ پیدا نہیں کی گئی۔

اب دیکھو۔ اس آیت میں سائنس کے متعلق کیسی وسیع تعلیم دی گئی ہے۔ اشیاء کے فوائد اور پھر یہ نتیجہ کہ کوئی چیز بے فائدہ پیدا نہیں کی گئی یہ بغیر تحقیق کے کیسے معلوم ہو سکتا تھا۔ پس قرآن نے خواص الاشیاء کی طرف توجہ دلائی ہے اور ساتھ ہی یہ سنہری اصل بھی سکھادیا ہے کہ کسی چیز کو بے فائدہ نہ سمجھو۔ ہم نے کوئی چیز فضول پیدا نہیں کی۔ گویا لمبی تحقیق جاری رکھنے اور عاجل نتائج سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ پہلے سائنس دان بعض اعضاء جسم انسانی کے متعلق خیال کرتے ہیں کہ یہ نیچر نے بے فائدہ بنائے ہیں۔ اور یہ محض ارتقاء حیوانی کے مختلف دوروں کی یادگار ہیں جن کی اب ضرورت نہیں اِس لئے ان کا کٹوا دینا ہی بہتر ہے کیونکہ وہ کئی دفعہ بیماری کا موجب ہو جاتے ہیں۔ مگر علوم مروّجہ کی ترقی اور ان کا بڑھتا ہوا تجربہ اور مشاہدہ اس بات کو رد کر رہا ہے اور ان کو قرآن کے اس سنہری اصل کی طرف توجہ دلا رہا ہے۔ مثلاً انسان کی بڑی آنتوں کے ساتھ چھوٹی انگلی کے برابر ایک زائد آنت ہوتی ہے۔ جس کو (VERIFORM APPENDIX) کہتے ہیں۔ اس میں بعض دفعہ غذا کے نیم ہضم شدہ ذرات رک جاتے ہیں۔ جن کی وجہ اس کے اندر سوزش ہو کر ورم ہو جاتا ہے۔ جسے (APPENDIX) کہتے ہیں۔ اور ڈاکٹر عموماً اس کو آپریشن کر کے کاٹ دیتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک یہ بے فائدہ ہے۔ مگر اب اس کے متعلق تجربہ کیا گیا ہے اور معلوم ہوا ہے کہ ان کا یہ خیال درست نہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے بارہ بندر لئے۔ اور ان میں سے نصف کے (APPENDIX) کاٹ دیئے۔ اور سب کو ایک ہی قسم کی غذا دی گئی۔ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ جن کی وہ آنت کاٹی گئی تھی ان کی چستی میں فرق پڑ گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ پہلے ڈاکٹر لوگ معمولی تکلیف پر بھی اس کو کاٹ دیتے تھے مگر اب احتیاط کرتے ہیں۔ پہلے اس آنت کا فائدہ ان کو معلوم نہ تھا مگر فائدہ اس کا تھا ضرور۔ اور تجارب سے معلوم ہوا کہ واقعی یہ آنت بے فائدہ نہیں۔ بتاؤ اگر اس کے متعلق تجربہ نہ کیا جاتا تو قرآن کریم کے اس اصل کی تصدیق کس طرح ہوتی

کہ ہر چیز مفید ہے۔ پس اسلام سائنس کی طرف توجہ دلاتا ہے اور سائنس کی تحقیقاتوں سے اسلام کی تائید ہوتی ہے۔

تصادم کی ایک اور وجہ

مذہب اور سائنس کے باہمی تصادم کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بعض لوگ اپنے وہم کو مذہب قرار دیتے ہیں جو لازماً سائنس کے مسلمہ اصول سے ٹکراتا ہے مگر یہ ان لوگوں کی غلطی ہے۔ گویا اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کا وہم درست ہے اور تجارب اور مشاہدات غلط ہیں۔ اِدھر سائنس والے بھی بعض دفعہ غلطی کرتے ہیں کہ محض تھیوری کا نام سائنس رکھ لیتے ہیں اور وہ مذہب کے ساتھ ٹکراتی ہے۔ مگر تھیوری قابل قبول نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ کے قول کے مقابلہ میں ایک انسان کی ذہنی اختراع کچھ چیز نہیں۔ جس طرح بعض مذاہب جھوٹے ہو سکتے ہیں مثلاً وہ جو دل کے خیال، وہم اور تخیل کو خدا کا کلام سمجھ لیں اسی طرح تھیوری بھی جھوٹی ہو سکتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کئی تھیوریاں آئے دن بدلتی رہتی ہیں۔ جوں جوں علوم میں ترقی ہوتی ہے پرانی تھیوریوں کو باطل کرتی جاتی ہے۔ مثلاً EINSTEN کی نئی تھیوری نے علم ایس ٹرانوی (ASTRONOMY) کی بہت سی ثقہ باتوں کو غلط ثابت کر دیا ہے۔ اسی طرح قدرت کے کرشموں کے مطالعہ سے جو غلط نتائج نکالے جائیں اور وہ مذہب سے ٹکرائیں تو بعد میں اصل حقیقت کے منکشف ہو جانے پر پشیمانی ہوتی ہے۔ پس آئندہ کے لئے فیصلہ کر لو کہ خدا تعالیٰ کے الفاظ اور اپنے تجربہ پر علوم کی بنیاد رکھیں گے اور اس طرح پر تصادم نہیں ہوگا اور اگر ٹکراؤ ہو تو سمجھ لو کہ یا تو خدا کا کلام سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے یا پھر تجربہ میں غلطی کی گئی۔

مخالفت کی تین وجوہات

دو باتوں میں مخالفت تین طرح کی ہو سکتی ہے۔ (۱) اگر ایک کو مانا جائے تو دوسری کا لازماً رد ہو۔ (۲) ایک دوسری کی طرف توجہ کرنے سے روکے۔ مثلاً مذہب یہ کہے کہ سائنس پر غور نہ کرو اور سائنس کہے مذہب کی طرف توجہ نہ کرو۔ (۳) تفصیلی تعلیم میں اختلاف ہو۔ یعنی اصولی باتوں میں نقص نہ ہو بلکہ جزئیات میں اختلاف ہو۔ اسلامی تعلیم میں ان تینوں میں سے ایک قسم کا اختلاف بھی نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ (۱) اسلام خدا کا قول ہے اور سائنس اس کا فعل ہے۔ پس نقیض نہ ہوئے۔ (۲) دونوں نے ایک دوسرے کا مطالعہ کرنے سے منع بھی نہیں کیا۔ (۳) جزئیات میں بھی اختلاف کوئی نہیں۔ دونوں آپس میں متحد اور متفق ہیں۔ (۴) قرآن تو حقیقی سائنس کو منکشف کرتا ہے۔ بعض

اسلامی احکام آج سے تیرہ سو سال قبل گو عجیب معلوم ہوتے تھے مگر اب آہستہ آہستہ ان کا فلسفہ اور حکمت ظاہر ہو رہی ہے۔ خواہ ان احکام کا تعلق علم النفس (PSYCHOLOGY) سے ہو یا علم کیمیا (CHEMISTRY) سے۔

ہر چیز مفید ہے

سائنس کے متعلق جو اصولی انکشاف قرآن کریم نے کئے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ دنیا میں ہر چیز کا فائدہ ہے۔ اور کوئی چیز اللہ تعالیٰ نے فضول پیدا نہیں کی۔ یہ بات پہلے بیان نہ ہوئی تھی۔ صرف اسلام نے آج سے تیرہ سو سال قبل یہ عظیم الشان علمی نکتہ دنیا کو بتایا کہ کوئی چیز خواہ وہ بظاہر کتنی ہی بُری ہو اس کے اندر ضرور اہم فوائد ہوں گے۔ گویا اصل غرض ہر چیز کی پیدائش کی نیک اور مفید ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ثُمَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّھِمْ یَعْدِلُوْنَ۔[۲] سب تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو زمین و آسمان کا خالق ہے۔ اور جو نور اور ظلمت دونوں کا بنانے والے ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ظلمات مثلاً مصائب، تکالیف، آفات، دکھ، درد، بیماری، موذی جانور وغیرہ سب کا خالق ہے۔ اسی طرح نور یعنی آرام و آسائش، سکھ، مفید اشیاء وغیرہ کا بھی خالق ہے اور ہر چیز کی پیدائش سے اس کی حمد ہی ثابت ہوتی ہے۔

پھر فرمایا اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً۔[۳] زندگی اور موت سب سے خدا کی حمد ہی نکلتی ہے۔ کیسا عجیب نظریہ پیش کیا ہے کہ ہر موذی چیز بھی مفید ہے۔ گویا اس طرح موذی اشیاء کے فوائد معلوم کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ مثلاً سنکھیا بُرا خیال کیا جاتا ہے۔ مگر ہزاروں ہیں جو اس کے ذریعہ بچتے ہیں۔ اگر چند لوگ غلطی سے اسے کھا کر مرجائیں تو اس سے سنکھیا کے فوائد کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ سنکھیا بہت سی امراض میں استعمال ہو رہا ہے۔ چنانچہ CHRONIC MALARIA (یعنی پرانا موسمی بخار) میں جب کونین فیل ہو جائے۔ اور فائدہ نہ دے سکے۔ تو آرسینک ہی فائدہ دیتا ہے۔ پھر امراض خبیثہ (آتشک) اور RELAPSING FEVER (ہیرے پھیرے بخار) میں بھی آرسینک دیا جاتا ہے۔ پس اگر ایک آدمی سنکھیا سے مرتا ہے تو ہزاروں اس کے ذریعے سے جیتے ہیں۔

پھر افیون کو ایک لعنت خیال کیا جاتا ہے۔ مگر آدھی طب افیون میں ہے۔ مارفیا کی جلدی پچکاری ہزاروں مریضوں کے لئے ایک نعمت ہے۔ اگر ادویہ کے غلط استعمال سے ہم نقصان اُٹھائیں تو یہ ہمارا قصور ہے۔ مثلاً چاقو مفید چیز ہے لیکن اگر ایک شخص اس سے بجائے کوئی چیز کاٹنے کے

اپنی ناک کاٹ لے تو یہ اس کا اپنا قصور ہے۔

قرآن کریم کا یہ طریق ہے کہ ہر بات سے ایک طبعی نتیجہ نکالتا ہے اور اس کے ساتھ اس کا شرعی نتیجہ بھی ہوتا ہے۔ مثلاً اس آیت سے طبعی نتیجہ یہ نکالا ہے کہ ہر چیز مفید ہے۔ اور موذی اشیاء سے بھی خدا کی حمد ہی نکلتی ہے۔ اس سے ایک شرعی نتیجہ بھی نکالا ہے اور وہ یہ کہ ثُمَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّھِمْ یَعْدِلُوْنَ یعنی بعض لوگ جو اس حقیقت کو نہیں سمجھے وہ شرک کرنے لگ پڑے ہیں۔ مثلاً زرتشتی مذہب کے لوگ۔ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ موذی اشیاء کا خالق کوئی اور ہے۔ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ خدا چونکہ رحیم ہستی ہے اس لئے موذی اشیاء مثلاً سانپ اور بچھو زہر وغیرہ کی پیدائش اس کی طرف منسوب نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا موذی اشیاء کا خالق کوئی اور ہونا چاہئے۔ مگر یہ غور نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ انہوں نے موذی اشیاء کی پیدائش کی حقیقی غرض کو نہیں سمجھا۔ ورنہ وہ ضرور اس نتیجہ پر پہنچتے کہ ان کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ پس ہر ایک بظاہر لغو اور موذی چیز اصل میں مفید ہے۔ اس کی پیدائش کی غرض نیک ہے۔ اور اس سے خدا کی حمد ہی ثابت ہوتی ہے۔ ہاں اگر ہم قوانین طبعی کی خلاف ورزی کر کے نقصان اٹھائیں تو یہ ہمارا قصور ہے۔ اس سے خدا تعالیٰ کے رحم پر کوئی اعتراض نہیں آسکتا۔

ہر چیز کا جوڑا ہے

قرآن نے فرمایا۔ ہر چیز کو اللہ تعالیٰ نے نر اور مادہ پیدا کیا ہے۔ یعنی ہر چیز کا جوڑا ہے۔ فرمایا وَ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ [8] پھر آتا ہے۔ وَ مِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِیْھَا زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ۔ [9] گویا نر اور مادہ مل کر مکمل ہوتے ہیں۔ اگر یہ دونوں آپس میں نہ ملیں تو ان کی مادی قوتیں ظاہر نہیں ہو سکتیں۔ عرب کو کھجور کے جوڑے کا تو علم تھا مگر ان کو ہر درخت کا جوڑا ہونے کا علم نہ تھا اور نہ ہی غیر ذی روح اشیاء کے جوڑے کا علم تھا جب تک کہ قرآن کریم نے اس حقیقت کو اُن پر منکشف نہ کیا۔ ایک یورپین مصنّف لکھتا ہے۔ تم عرب کے لوگوں کو جاہل مت خیال کرو اُن کو اس حقیقت کا علم تھا کہ درختوں میں نر و مادہ ہوتے ہیں۔ میں ایک دفعہ گورداسپور گیا اور وہاں کے اگریکلچرل فارم کا ملاحظہ کیا۔ تو وہاں کے سپرنٹنڈنٹ صاحب نے مجھ کو بتایا۔ یہ گیہوں کے خوشے جو ہیں ان میں سے فلاں نر اور فلاں مادہ ہیں۔ جب سائنس میں اور ترقی ہو گی تو باقی درختوں کے بھی جوڑے معلوم ہو جائیں گے۔ غیر ذی روح اشیاء مثلاً بجلی وغیرہ کا بھی جوڑا ہے۔ منفی اور مثبت بجلی کا آپ کو علم ہے۔ غرض اس اصل کو بیان کر کے قرآن کریم نے علمی دنیا پر ایک عظیم الشان احسان کیا ہے اور اس کے

لئے آئندہ تحقیقات کا ایک وسیع میدان کھول دیا ہے۔

قرآن نے اس سے ایک شرعی نتیجہ بھی نکالا ہے اور وہ یہ کہ خدا ایک ہے۔ جوڑا احتیاج پر دلالت کرتا ہے۔ اِس لئے ہر چیز ناقص ہے کیونکہ ہر چیز کو اپنی طاقت کے نشوونما اور قوتوں کے اظہار کے لئے دوسرے سے ملنا ضروری ہے۔ اپنی ذات میں کامل اور احتیاج سے منزہ صرف ایک ہی ہستی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے جسے جوڑے کی ضرورت نہیں۔

کُتّے کے چاٹے ہوئے برتن کو مٹی سے ملنا

حدیث شریف میں آتا ہے۔ اِذَا وَلَغَ الْکَلْبُ فِیْ اِنَاءِ اَحَدِکُمْ فَلْیَغْسِلْہُ سَبْعَ مَرَّاتٍ اُوْلٰھُنَّ بِالتُّرَابِ۔ [1] یعنی جس برتن کو کُتّا چاٹ جائے۔ اس کو سات دفعہ مٹی سے مل کر دھونا چاہئے۔ ڈاکٹر کاخ جو جرمنی کے مشہور پیتھالوجسٹ ہیں۔ اُنہوں نے PASTEAR INSTITUTES میں جب کام شروع کیا۔ تو اُنہیں چونکہ اسلامی لٹریچر کے مطالعہ کا شوق تھا۔ اِس لئے خیال آیا حدیث میں جو آتا ہے کہ کُتّے کے چاٹے ہوئے برتن کو مٹی سے ملنا چاہئے۔ اس میں ضرور کوئی حکمت ہوگی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم دانا آدمی تھے اُنہوں نے ضرور اچھی بات کہی ہوگی۔ پس انہوں نے تحقیقات شروع کی۔ تو معلوم کیا کہ مٹی کے اندر ایسے اجزاء پائے جاتے ہیں جو RABIES (کُتّے کا زہر) کے لئے مفید ہیں اور اس کے مصلح ہیں۔ گویا اُن کو اس حدیث نے اس طرف توجہ دلائی۔

چوہے کو مارنے کا حکم

اِسی طرح حدیث میں آتا ہے۔ خَمْسٌ لَا جُنَاحَ عَلٰی مَنْ قَتَلَھُنَّ فِی الْحَرَمِ وَالْاِحْرَامِ اَلْفَأْرَۃُ وَالْغُرَابُ وَالْحِدَأَۃُ وَالْعَقْرَبُ وَالْکَلْبُ الْعَقُوْرُ [2] کہ پانچ چیزیں بُری ہیں ان کو احرام کی حالت میں اور خانہ کعبہ کے اندر بھی مار دینا چاہئے۔ ان میں سے ایک چوہا ہے۔ گویا اس طرح پلیگ کا راز منکشف کیا گیا۔ اور آج سے تیرہ سو سال قبل بتایا کہ پلیگ کا سبب چوہا ہے جس کی تصدیق حال کی تحقیقاتوں نے کر دی ہے۔ حالانکہ ان کو آج سے تیرہ سو سال قبل پلیگ کے جَرم (GERM) کا پتہ نہ تھا۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوہے کو مارنے کا حکم دے کر لوگوں کو بتا دیا کہ یہ مُضِر جانور ہے۔ اور اس کی اہمیت اس سے معلوم ہو سکتی ہے کہ جس جانور کو بیت اللہ کے اندر مارنے کا حکم ہے۔ (جہاں جوں مارنے کی بھی اجازت نہیں) تو کیا دوسرے مقامات میں اسے یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا اور اس کے انسداد کی تدبیر نہ سوچی جائے گی۔

طاعون کے متعلق مزید انکشاف

حدیث شریف میں طاعون کے متعلق بعض اور لطیف اشارات بھی پائے جاتے ہیں۔ مثلاً صحابہ نے عرض کی کہ طاعون کیا ہے تو حضورؐ نے فرمایا۔ جنّ کاٹتے ہیں۔ [۱۲] جن سے مرض جسم میں داخل ہو جاتا ہے۔ اب اس کا عام جواب یہ کافی تھا کہ طاعون ایک مرض ہے۔ مگر آپ نے ایسا جواب دیا جس میں اس مرض کے مخفی جرمز کی طرف اشارہ تھا۔ حدیث شریف میں بعض اصطلاحیں استعمال ہوتی ہیں اور ان میں سے لفظ جن بھی ایک اصطلاح ہے۔ یہاں پر جن سے مراد مخفی اور پوشیدہ چیز ہے۔ چنانچہ ایک اور جگہ بھی جن کا لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی حضورؐ نے فرمایا۔ ہڈی جنّ کی غذا ہے۔ [۱۳] جس سے مراد کیڑے اور جراثیم (BACTERIA) تھی۔ پس اس جگہ جن کے کاٹنے سے مراد وہ جن نہیں جو لوگ خیال کرتے ہیں بلکہ جراثیم مراد ہیں۔ اس کا ایک اور حدیث سے بھی ثبوت ملتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ طاعون متعدی مرض ہے دوسرے علاقوں میں نہ جانا۔ [۱۴] اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنّ نہیں کوئی اور وجود ہے۔ ورنہ اگر اس سے مراد جنّ ہی ہو تو سوال ہوتا ہے کہ کیا وہ ہمارا محتاج ہے جو ہمارے ذریعے دوسری جگہ جائے گا۔ خود بخود کیوں نہ چلا جائے گا۔ پھر صحابہ رضوان اللہ علیہم کا یہ عمل تھا کہ جب طاعون پڑتی تو پھیل جاتے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جنّ مراد نہیں بلکہ پلیگ کے جراثیم مراد ہیں جو پھیل جانے، باہر کھلی ہوا، دھوپ اور روشنی میں ڈیرا لگانے سے مرجاتے ہیں۔ اِس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت نبی کریم کا یہ فرمان کہ جنّ کاٹتا ہے اس سے مراد پلیگ کے جراثیم تھے نہ کہ حاتم طائی والا جنّ۔

مسواک کرنے کا طریق

یہ ایک موٹی سی بات ہے مگر اس کا ثبوت بھی حدیث شریف سے ہی ملتا ہے۔ اور وہ مسواک کی ضرورت اور اس کے کرنے کا پُر حکمت طریق ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر مجھے اپنی امت کے لئے یہ حکم دوبھر معلوم نہ ہوتا تو مسواک کو فرض کرتا۔ [۱۵] آج مسواک کے ساتھ ہنسی اور تمسخر کیا جاتا ہے۔ مگر آپ کے نزدیک مسواک کی اتنی اہمیت تھی کہ نزع کے وقت بھی حضور نے مسواک مانگی اور مسواک کی۔ آج کی تحقیقات نے دانت کا جسم انسانی پر عظیم الشان اثر واضح کر دیا ہے اور معلوم ہوا ہے کہ کئی مزمن امراض (CHRONIC) کا باعث دانت اور مسوڑھوں کی خرابی ہے۔ جسے (PYORRAOCA) کہتے ہیں۔ امریکہ میں جنون کے اسباب کے متعلق ایک

تحقیقاتی کمیشن بٹھایا گیا۔ اس نے کئی ہزار مجانین کے جسم کا معائنہ کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ۸۰ فیصدی مجانین میں جنون کا سبب دانت اور مسوڑھوں کی پیپ تھی۔ مسوڑھوں کی خرابی کا زہریلا اثر گلے کی غدود کو پہنچتا ہے اور وہاں سے عروق جاذبہ کے رستے دماغ میں جا کر جنون پیدا کر دیتا ہے۔

مَیں جب کانفرنس مذاہب کے موقع پر لنڈن گیا تو ایک ماہر فن دانت کے ڈاکٹر سے دانتوں کا معائنہ کرایا۔ اُس نے کہا دانتوں کو باقاعدہ برش کیا کرو۔ پھر برش کرنے کا طریق بھی بتایا اور اس بات پر زور دیا کہ برش کی حرکت اوپر نیچے ہو۔ یعنی صرف دانتوں کی سطح کو صاف نہ کیا جائے بلکہ دانتوں اور مسوڑھوں کے درمیان جو جگہ ہے اس کو اچھی طرح صاف کیا جائے۔ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی ارشاد ہے کہ اوپر سے نیچے کی طرف حرکت کی جائے۔[۱۶] کیونکہ مسوڑھوں کا آخری حصہ نرم ہوتا ہے۔ اور اس کے پیچھے جرمز چھپے رہتے ہیں۔

چونکہ یہ اصولی مضمون ہے اس لئے یہ چار پانچ مثالیں کافی ہیں ورنہ قرآن کی ساری کی ساری تعلیم سائنس پر مبنی ہے جس کا آج سے تیرہ سَو سال قبل کسی کو وہم بھی نہ تھا۔ سائنس کی ترقی صرف ۲ سَو سال سے ہے اور نئی تحقیقاتیں اسلامی تعلیم کی حکمت ظاہر کر رہی ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ مذہب سائنس کا مؤید ہے۔

کیا مذہب سے وہم پیدا ہوتا ہے

اعتراض کیا جاتا ہے کہ مذہب کے بعض نظریات کی بناء چونکہ مادیات پر نہیں ہوتی اِس لئے انسان ہر لغو بات خواہ وہ عقل کے خلاف ہی ہو مان لیتا ہے جس سے اس کی قوت استدلال کمزور ہو جاتی ہے اور وہم بڑھ جاتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مذہب سے وہم نہیں پیدا ہوتا کیونکہ مذہب کی بناء یقین پر ہے۔ اگر وہم ہو تو پھر اتنا وہم سائنس سے بھی پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً ملائکہ کا وجود، بعث بعد الموت، اللہ تعالیٰ کا وجود ان سب کا ثبوت مادیات سے نہیں ملتا مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ مذہب لغو باتیں منواتا ہے کیونکہ اگرچہ وہ نظریات جو عقل سے بالا ہوں، ان کو منواتا ہے مگر دلیل سے۔ مذہب کی سچائی کے لئے ضروری ہے کہ جو امور مادیات سے بالا ہوں ان کے لئے دلیل دے۔ پس اسلام نے اللہ تعالیٰ کی ہستی، ملائکہ کا وجود وغیرہ کے لئے دلائل دیئے ہیں لہٰذا وہم پیدا نہیں ہوتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اس بات پر شاہد ہے کہ آپ نے وہم کا ازالہ کیا۔ حدیث میں آتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے ابراہیم جب فوت ہوئے تو اُس دن اتفاق

سورج گرہن ہو گیا۔ صحابہ نے کہا۔ حضورؐ کے صاحبزادہ کی وفات پر سورج نے بھی افسوس کیا ہے اور اس کو صدمہ ہوا ہے۔ اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو قانون طبعی کے ماتحت ہے اس کا میرے بیٹے کی وفات سے کیا تعلق؟ گویا اس طرح آپ نے اپنے عمل سے وہم کا ازالہ کیا نہ کہ اُسے پیدا کیا۔

مگر اس کے مقابلہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ سائنس سے وہم پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ علم الجراثیم (BACTERIOLOGY) کی ترقی سے ہؤا ہے۔ طب کہتی ہے ہر جگہ جراثیم ہیں۔ ڈاکٹر ذرا ذرا سی بات پر خوف کھاتے اور بار بار ہاتھ دھوتے رہتے ہیں۔ طب کا مطالعہ کیا جائے تو جس مرض کا حال پڑھو ایسا معلوم ہونے لگتا ہے کہ شاید یہ مرض ہم کو ہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان ان عام علامات (GENERAL SYMPTOMS) کی وجہ سے جو ہر مرض میں مشترک ہوتی ہیں اور ہر انسان میں کم و بیش پائی جاتی ہیں خیال کر لیتا ہے کہ مجھ میں یہ مرض ہے حالانکہ اس مرض کی خاص علامات (SPECIAL SYMPTOMS) اس میں موجود نہیں ہوتیں۔

اسلام نے اس قسم کے وہم کو جو کمزوریٔ دماغ کا نتیجہ ہوتا ہے دُور کیا ہے۔ وہم ہمیشہ غلوّ سے ہوتا ہے مگر اسلام نے ہر بات میں میانہ روی سکھلا کر وہم کا ازالہ کیا ہے۔ فرمایا۔ نماز میں میانہ روی اختیار کرو ہر وقت نماز نہ پڑھتے رہو۔ اور تین وقت نماز پڑھنے سے منع کر دیا۔[17] پھر فرمایا:۔ جو روزانہ روزہ رکھے اس کو دوزخ ملتی ہے۔[18] مگر روزہ تو خدا کے لئے رکھا جاتا ہے اس کے بدلہ میں دوزخ کیسی۔ اس کی غرض بھی صرف وہم کو دُور کرنا تھی۔ کیونکہ غلوّ کرنے سے دماغ کمزور ہو کر وہم پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی واسطے فرمایا۔ وَ لِنَفْسِکَ عَلَیْکَ حَقٌّ۔[19] تیرے نفس کا بھی تجھ پر حق ہے۔ اس لئے نفس کشی نہ کرو۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ دو صحابی آپس میں بھائی بھائی بنے ہوئے تھے۔ ایک دن ایک دوسرے کی ملاقات کے لئے گیا تو دیکھا۔ اس کی بیوی متبذّل حالت میں ہے۔ وجہ پوچھی تو اس نے جواب دیا تمہارے بھائی کو میری کچھ حاجت نہیں۔ وہ تو ہر روز دن کو روزہ رکھتا اور رات کو نماز پڑھتا رہتا ہے۔ صحابی نے اپنے دوست سے کہا۔ دیکھو تمہارے رب کا بھی تم پر حق ہے، تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے۔ ہر ایک کو اس کا حق دینا چاہئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کے قائم اللیل اور صائم الدھر رہنے کو ناپسند فرمایا۔ اور فرمایا۔ زیادہ سے زیادہ کوئی شخص ایک دن چھوڑ کر روزہ رکھ سکتا ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ عبادت یہ ہے

کہ آدھی رات سوئے اور آدھی رات نماز پڑھے۔[۲۰] گویا ہر بات میں میانہ روی سکھائی تا کہ وہم پیدا نہ ہو۔

مذہب سائنس کیوں نہیں بتاتا

سوال کیا جا سکتا ہے کہ اگر مذہب خدا کی طرف سے ہے تو پھر وہ سائنس کیوں نہیں بتاتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ درحقیقت ایسا ہی چاہئے تھا کہ مذہب سائنس بیان نہ کرے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـٴَـلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ۔[۲۱] یعنی اے ایمان والو۔ ایسی باتوں کے متعلق سوال نہ کرو جن کے بتا دینے سے تمہیں نقصان ہو۔ اس پر سوال ہو سکتا ہے کہ خدا کی بتائی ہوئی بات سے نقصان کیسے ہو سکتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ ہمیں تو بتا دینے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تمہارا دماغی ارتقاء رک جائے گا اور تمہاری خود سوچنے اور غور و فکر کرنے کی قابلیت مرجائے گی اور تمہارا علمی ارتقاء مٹ جائے گا۔ پس ہماری ذہنی ترقی کو قائم رکھنے کے لئے مذہب نے سائنس نہیں بتائی۔ ہاں ضروری باتیں بتا دی ہیں جو ایجاد سے معلوم نہ ہو سکتی تھیں یا دیر سے معلوم ہوتیں۔ مگر ہر ایک بات بتا دینے سے ہمارے ذہنی ارتقاء کو نقصان ہوتا۔ اور یہ مشاہدہ ہے کہ جس کا ذہنی ارتقاء بند ہوا وہ قوم مٹ گئی۔ مومن کے دو دن بھی برابر نہیں ہوتے بلکہ وہ ہر روز ترقی کرتا ہے۔ اگر مذہب ساری کی ساری باتیں بتا دیتا تو انسان ذہنی طور پر اسی دن مرجاتا کیونکہ اس کا ذہنی ارتقاء بند ہو جاتا۔ اس لئے مذہب میں اصول کو لے لیا گیا ہے اور جزئیات میں اجتہاد کی گنجائش رکھ دی ہے تا کہ انسان کا ذہنی ارتقاء بند نہ ہو۔

کیا مذہب ذہنی ارتقاء بند کرتا ہے

کہا جائے گا اگر ذہنی ارتقاء کے لئے ضروری تھا کہ مذہب سائنس بیان نہ کرے تو خود مذہب میں علمی ارتقاء کو کیوں بند کر دیا گیا ہے۔ مذہب نے کیوں الہام کے ذریعے تعلیم دی۔ کیوں نہ ہم پر ان باتوں کو چھوڑ دیا تا کہ ہم خود سوچتے اور غور و فکر کے بعد انہیں حاصل کرتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مذہب کے بہت سے مسائل کی بنیاد رضاء الٰہی پر ہے نہ کہ سائنس کی طرح شواہد پر۔ اور رضاء کا علم وہ خود جانتا ہے سائنس نہیں بتا سکتی۔ مثلاً اگر کوئی شخص اپنے کسی دوست سے ملنے جائے اور جا کر خاموش رہے تو اس کا دوست کس طرح معلوم کر سکتا ہے کہ میرا مہمان کیا کھائے گا۔ ہاں مہمان اگر خود منہ سے بولے کہ میں فلاں چیز پسند کرتا ہوں تو میزبان کو اس

کی رضاء کا علم ہو سکتا ہے پس رضاء الٰہی کے معلوم کرنے کا ذریعہ الہام ہے۔

پھر مذہب کا تعلق ابدالآباد زندگی سے ہے اور سائنس کا صرف موت تک۔ اِس لئے سائنس کی ایجادوں مثلاً ریل اور لاسلکی کی عدم موجودگی میں انسان کو نقصان نہ تھا۔ مگر دین کے بغیر اس کے کامل ہونے سے پہلے ہی دنیا تباہ ہو جاتی اور اخلاق فاضلہ اور روحانیت کے متعلق تجربے کرتے کرتے لاکھوں آدمی دوزخ میں چلے جاتے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اصولی باتوں کا علم جو عقل سے بالا تھیں الہام کے ذریعہ دیا اور جزئیات کو ہمارے عقلی اجتہاد کے لئے چھوڑ دیا۔

علاوہ ازیں بعض مسائل نیچرل قوانین سے بالا ہیں۔ مثلاً صفات الٰہی، ملائکہ کا وجود، بعث بعد الموت وغیرہ۔ ان کو عقل اور سائنس سے معلوم کرنا مشکل تھا۔ یہاں پر عقل بالکل اندھی تھی۔ اور اگر کچھ ثابت کرتی تو زیادہ سے زیادہ یہ بتاتی کہ خدا اور ملائکہ کا وجود ہونا چاہئے نہ یہ کہ واقعی موجود ہے۔ کیونکہ "ہونا چاہئے" تو عقل سے ہو سکتا ہے مگر "ہے" کے لئے مشاہدہ کی ضرورت ہے جو الہام کے بغیر ممکن نہیں۔ اِن وجوہات سے الہام کی ضرورت تھی۔

سائنس اور مذہب کا دائرہ الگ الگ ہے

سائنس کا اثر مادیات پر ہے اور مذہب کا تعلق مافوق المادیات پر۔ مذہب میں یہ چھ باتیں داخل ہیں۔ اخلاق، تمدن، سیاست، الوہیت، روحانیت، حیات بعد الموت۔

اب یہ ساری کی ساری باتیں مادیات سے بالا ہیں اِس لئے سائنس کے شواہد سے ان پر استدلال نہیں ہو سکتا۔ پس امور مذہبی کی قطعی تحقیق سائنس سے نہیں ہو سکتی۔ مثلاً خدا کا وجود ہے۔ اب یہ وجود چونکہ مادیات سے بالا ہے اِس لئے اس کی ہستی کا ثبوت اور اس کی صفات کا علم سائنس کے تجارب سے نہیں مل سکتا۔ ہاں الہام کے ذریعے اس کی صفات کا علم ہو سکتا ہے۔ پس یہ کہنا کہ خدا کا وجود سائنٹیفک تجربات کے خلاف ہے غلط ہے۔ ہاں یہ درست ہے کہ سائنس کے تجارب سے معرفت الٰہی حاصل نہیں ہو سکتی۔

سائنس خدا کی نفی نہیں کرتی

پس سائنس دان یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں سائنس کے تجربات سے معرفت الٰہی کا کچھ پتہ نہیں چلا مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ سائنس کی تحقیق خدا کے وجود کی نفی کرتی ہے۔ کیونکہ اگر وہ ایسا کہیں گے تو خود گرفت میں آئینگے۔ اس لئے کہ پروفیسر ہکسلے [۲۲] (HUXLEY) جس نے

AGNOSTICISM (دہریت) کی بنیاد ڈالی ہے اس نے یہ نہیں کہا کہ سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ خدا کوئی نہیں بلکہ یہ کہا ہے کہ سائنس کی تحقیقات سے خدا کے وجود کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اور یہ ہے بھی درست۔ کیونکہ سائنس تو وہاں تک پہنچتی نہیں۔ وہ وجود تو فوق المحسوسات ہے اور سائنس کا دائرہ مادیات اور محسوسات تک محدود ہے۔ پس وہ اس کے متعلق تحقیق کر ہی نہیں سکتی۔ اس کی مثال تو ایسی ہے کہ کوئی شخص ریل کے ذریعے کابل جانا چاہے اور راولپنڈی سے ٹرین میں بیٹھ جائے مگر آخر ناکام ہو کر یہ نتیجہ نکال لے کہ کابل کوئی شہر ہی نہیں۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ کابل جانے کا یہ طریق ہی غلط تھا کیونکہ ریل تو وہاں تک جاتی ہی نہیں۔ اسی طرح سائنس دانوں نے سائنس کے تجربات سے خدا کا پتہ لگانا چاہا اور وہ ناکام ہوئے۔ محض اس لئے کہ سائنس وہاں جاتی نہیں اس کا دائرہ اس سے بہت نیچے ہی ختم ہو جاتا ہے۔

صادقوں کی شہادت

اصل بات یہ ہے کہ دنیا میں ہربات صرف سائنس کے تجربات اور مشاہدات سے ہی تسلیم نہیں کی جاتی بلکہ اس کے اور ذرائع بھی ہیں۔ مثلاً راستبازوں کی شہادت وغیرہ۔

ہم سائنس دانوں سے پوچھتے ہیں کہ ان کو ماں باپ کا پتہ کس نے دیا۔ کیا انہوں نے سائنس کے شواہد اور تجارب سے معلوم کیا ہے کہ فلاں شخص فلاں کا باپ ہے یا کسی اور ذریعہ سے۔ یہ ظاہر ہے کہ اس کا ثبوت ماں باپ کا دعویٰ اس کی اپنی یاد کہ جب سے ہوش سنبھالا ہے انہی کے گھر میں رہتا ہے اور لوگوں کی شہادت بھی ہے۔ اسی طرح خدا کے وجود کے ثبوت کے لئے (جو کہ فوق المحسوسات ہے) راستبازوں کی شہادت کی ضرورت ہے جو اس بارے میں صاحب تجربہ ہوں۔

جو لوگ صحیفۂ فطرت سے خدا کا وجود ثابت کرنا چاہتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی مشین کھول کر موجد کا پتہ لگانا چاہے۔ مثلاً کوئی شخص اگر سنگر کی سلائی کی مشین کو کھول کر مسٹر سنگر (MR.SINGER) کو دیکھنا چاہے تو وہ اس کو نہیں پائے گا۔ اسی طرح فورڈ کار (FORD CAR) کو کھول کر مسٹر فورڈ (MR.FORD) کو معلوم کرنا چاہے تو اسے نہیں ملے گا۔ وہ تو اسے بنا کر الگ ہو گیا۔ اب مشین کو دیکھ کر آپ عقلاً صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ اس مشین کا بنانے والا کوئی "ہو گا"۔ یا "ہونا چاہئے"۔ مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس کا بنانے والا مسٹر فورڈ یا سنگر ضرور "ہے"۔

اس پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ خدا تو ہر وقت اس صحیفۂ قدرت کی مشینری کو چلا رہا ہے۔ اس لئے اس کو تو نظر آنا چاہئے۔ مسٹر فورڈ تو اِس لئے فورڈ کار کے اندر نظر نہیں آتا کہ وہ اس کو اب

نہیں بنا رہا۔ وہ تو بنا کر الگ ہو گیا ہے۔ اگر ہم اس کو بناتے دیکھتے تو بتا دیتے کہ اس کا بنانے والا ہے۔

خدا کس طرح کام کرتا ہے

مگر درحقیقت یہ اعتراض غلط ہے کیونکہ دیکھا اس صانع کو جا سکتا ہے جو ہاتھ سے کام کر رہا ہو۔ مگر جب کام ارادہ سے ہو رہا ہو تو وہ وجود نہیں ملا کرتا۔ مثلاً کسی کے کان میں چپکے سے کہہ دیا جائے کہ فلاں کام کرو۔ تو دیکھنے والا کس طرح پتہ لگا سکتا ہے کہ کون کام کرا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی چونکہ ہاتھ سے کام نہیں کرتا بلکہ ارادہ سے کرتا ہے اِس لئے صحیفۂ قدرت کے اندر اس کو کام کرتے ہوئے دیکھنا بھی مشکل ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ۔[۲۳] وہ کام کن کے ذریعہ کرتا ہے نہ کہ ہاتھ سے۔ اور ارادہ سے کام کرنے کی نہایت ادنیٰ مثال مسمریزم کرنے والوں میں مل سکتی ہے جو اپنی توجہ سے اثر ڈالتے ہیں۔ گو بعض ہاتھ سے بھی PASSES کرتے ہیں مگر مخفی توجہ کا اثر بھی ہوتا ہے۔ جس میں بغیر ہاتھ کی حرکت یا زبان سے کلمہ نکالنے کے اثر ہوتا ہے۔

ایک دلچسپ تجربہ

توجہ کا اثر معلوم کرنے کے لئے یہ تجربہ کیا جا سکتا ہے کہ کسی لڑکے کی آنکھیں بند کر کے اسے کمرے کے وسط میں چکر دے کر چھوڑ دو۔ اس طرح جہات جو نسبتی چیز ہیں اس کے ذہن سے نکل جائیں گی۔ اب سب ملکر اس پر اثر ڈالو اور ذہن میں تصور کرو کہ یہ مثلاً مغرب کی طرف چلے تو وہ لڑکا مغرب کی طرف چلنے لگ پڑے گا۔ اب دوسروں کو یہ نظر نہ آئے گا۔ کیونکہ کام توجہ اور ارادہ سے ہو رہا ہے نہ کہ ہاتھ سے۔ خدا تعالیٰ مخلوق کا سرچشمہ نہیں بلکہ خالق ہے۔ سرچشمہ تلاش سے مل جایا کرتا ہے مگر خالق نہیں ملا کرتا۔ مثلاً دریائے راوی کے منبع کا پتہ لگانا ہو تو پانی کے کنارے چل پڑو آخر اس کا منبع مل جائے گا۔ مگر خالق کو اس پر قیاس نہیں کر سکتے۔

کیا قانون قدرت کا علم خدا کے خلاف ہے

بعضوں کا یہ خیال ہے کہ قانون قدرت معلوم ہو گیا اور اس کے مخفی در مخفی اسباب کا علم ہو گیا تو بس خدا باطل ہو گیا اور اس کی ضرورت کی نفی ہو گئی۔ مثلاً بچہ کی تحقیق ہے۔ سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ نطفہ سے مختلف شکلیں بدل کر انسان بنتا ہے یا ڈارون[۲۴] (DARWIN) کی تھیوری نے ثابت کر دیا ہے کہ انسان نے مختلف ارتقائی دوروں میں سے گذر کر یہ شکل اختیار کی ہے۔ یا اگر یہ معلوم ہو گیا کہ پانی دو گیسوں ہائیڈروجن اور آکسیجن

کا مرکب ہے تو کیا خدا باطل ہو گیا اور یہ ثابت ہو گیا کہ خدا ان چیزوں کا خالق نہیں۔ یہ تو بچوں والا استدلال ہے۔ کیا اسباب آج معلوم ہوئے ہیں۔ کیا نطفہ کے اجزاء کا پہلے علم نہ تھا کہ رحم مادر میں جا کر بچہ بنتا ہے۔ تو اب اگر اس میں اسباب کی ایک اور کڑی معلوم ہو گئی تو اس سے خدا کی خالقیت کی کیوں نفی ہو گئی۔ مذہب نے سبب کا انکار کبھی نہیں کیا اور نہ یہ کہا ہے کہ صرف ایک سبب خدا ہی ہے اس کے علاوہ اور کوئی نہیں۔ مذہب تو اس بات کو منواتا ہے کہ اسباب کا لمبا سلسلہ ہے اور سب سے آخری سبب جو ہے وہ اللہ تعالیٰ ہے۔

فرماتا ہے۔ اِلٰی رَبِّکَ مُنْتَھٰھَا۔[۲۵] باریک در باریک اسباب ہیں اور پھر یہ سلسلہ خدا تک جاتا ہے۔ گویا آخری سبب (FINAL CAUSE) خدا ہے۔ ان لوگوں کی مثال جن کو اسباب کی تلاش کرنے سے خدا نہیں ملا اور اس کی ذات کا ہی انکار کر دیتے ہیں ایسی ہے۔ جیسے کوئی شخص دو چار ہاتھ مٹی کھود کر چھوڑ دے اور کہے پانی نہیں نکل سکتا اِس زمین کے نیچے پانی ہے ہی نہیں حالانکہ اگر وہ گہرا کھودتا تو اسے ضرور پانی مل جاتا۔ قرآن کریم نے خود اسباب کو تسلیم کیا ہے اور اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ ہر کام تدریجی ہے۔ اور اس کی نشوونما میں STAGES ہیں۔ چنانچہ فرمایا۔ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَۃٍ۔ ثُمَّ مِنْ عَلَقَۃٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَۃٍ مُّخَلَّقَۃٍ وَّ غَیْرِ مُخَلَّقَۃٍ لِّنُبَیِّنَ لَکُمْ۔[۲۶] اے لوگو! تم دوبارہ اُٹھائے جانے کے متعلق شک میں ہو۔ تم کو معلوم نہیں ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر نطفہ سے۔ پھر اس کو علقہ بنایا۔ پھر مضغہ میں اس کو تبدیل کیا۔

اسباب کا وجود تو حقائق کے بیان کے لئے تھا۔ نہ اس لئے کہ ان کی نفی کرے۔ اسباب کے لمبے سلسلہ کی غرض دنیا کی تکمیل کے لئے تھی۔ خواہ کسی قسم کی تکمیل ہو۔ علمی یا عملی اس کے لئے STAGES ضروری ہیں۔ مختلف ترقی کے دَور تھے۔ جن میں سے دنیا گزری ہے۔ یہ ہماری ترقی کے لئے ضروری تھے۔ اگر یہ دَور مختلف نہ ہوتے تو ہم ترقی نہ کر سکتے۔ پھر لمبے سلسلہ کی ضرورت اِس لئے بھی تھی کہ اشیاء ایک دوسرے کا اثر قبول کر سکیں۔ اور اپنے گرد و پیش کے حالات سے مناسبت (ADOPTATION) پیدا کر سکیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اسباب کا لمبا سلسلہ اور مختلف اشیاء کی ارتقائی STAGES ہماری ترقی کی غرض سے ہماری کمزوری کو مدنظر رکھ کر رکھی ہیں۔ ورنہ وہ تو اس بات پر قادر تھا کہ چند دنوں میں دنیا کی تکمیل کر دیتا اور اسباب کا سلسلہ بالکل نہ ہوتا۔

الہام کا ثبوت

کہا جاتا ہے مذہب کی بنیاد الہام پر ہے مگر الہام محض دلی خیال کا نام ہے۔ مذہب کے بانیوں نے سوچا کہ ہماری بات لوگ یوں نہ مانیں گے چلو خدا کی طرف منسوب کر دو تاکہ جلدی مان لیں۔ گویا یہ مخفی ایک مصلحت وقت تھی اور چونکہ اس میں قومی نفع تھا اس لئے اپنے قلبی خیالات کا نام الہام رکھ لیا گیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ طبعی قانون سے الہام کی تصدیق نہ ہونا اس بات کا ہرگز ثبوت نہیں کہ الہام خدا کی طرف سے نہیں اور محض قلبی خیالات ہوتے ہیں۔ طبعی قانون سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی جبھی تو اس کا نام الہام ہے۔ ورنہ وہ طبعی اسباب کا نتیجہ ہوا۔ اور اس کا نام سائنس رکھنا چاہئے نہ کہ الہام۔ الہام کی تصدیق طبعی قوانین سے نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وہ طبعی قوانین سے بالا ہے اور القاء ہے نہ کہ قلبی خیال۔

اصل سوال یہ ہے کہ الہام لفظی ہو سکتا ہے یا نہیں۔ قرآن کریم نے اس کے ثبوت میں خواب اور رؤیا کو پیش کیا ہے۔ جس طرح انسان خواب میں بغیر خارجی محرک کے نظارے دیکھتا ہے اسی طرح یہ خیال بالکل ممکن ہے کہ بولنے کے بغیر الفاظ کان میں ڈالے جائیں اور وہ دل کا خیال نہ ہوں۔ بتاؤ ایسا ممکن ہے یا نہیں کہ انسان اس قسم کا نظارہ دیکھ سکے۔ یقیناً ہر ایک نے کبھی نہ کبھی اس قسم کا نظارہ دیکھا ہو گا۔ چاہے وہ بخار کی حالت میں ہی دیکھا ہو۔ اس نظارہ کو تم جھوٹا سمجھو یا سچا۔ مگر اتنا ضرور ہے کہ وہ واقعہ میں نظارہ ہوتا ہے اور دل کا خیال نہیں ہوتا۔ یہ الگ بات ہے کہ تم اس کو جھوٹ کہو، تخیل سمجھو یا بیماری کا نتیجہ خیال کرو۔ پس ایسے نظارے دیکھے جاتے ہیں جن کا ثبوت شواہد سے ملتا ہے نہ کہ طبعی قوانین سے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دماغ میں ایسی کیفیت ہے جس سے ایسے نظارے معلوم ہو سکتے ہیں۔ اور اگر آنکھ اس دماغی کیفیت سے نظارے دیکھ سکتی ہے تو کیا کان آواز نہیں سن سکتے۔ یہ الگ سوال ہے آیا کہ وہ آواز جھوٹی ہے یا سچی۔ بیماری کا نتیجہ ہے یا تخیل۔ انسان کمرے میں الگ بیٹھا ہوا ہو تو بعض دفعہ اپنا نام کان میں پڑتا ہے۔ یا جنگل میں اگر اکیلا ہو تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اس کو بلا رہا ہے۔ گو تم اس کو وہم ہی خیال کرو مگر یہ ناممکن نہیں ہے۔ پس ان نظاروں اور ان آوازوں کے متعلق ثبوت یہ مانگنا ہو گا کہ یہ وہم ہے یا خدائی الہام۔ مثلاً میں اس وقت کھڑا ہوں اور مجھ کو ایسا معلوم ہو کہ کسی نے باہر سے آواز دی ہے "محمود"۔ تو تم مجھ کو پاگل خیال کر سکتے ہو۔ مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ جھوٹ کہہ رہا ہے۔ یا مثلاً یہ کہ آواز کوئی نہیں آئی، محض اس کے دل کا خیال ہے۔

کہا جاتا ہے کیا خدا کی بھی زبان ہے۔ اس کے بھی حلق، دانت اور VOCAL CORDS وغیرہ ہیں۔ جن کی مدد سے آواز پیدا ہوتی ہے۔ مگر ہم یہ نہیں کہتے کہ خدا کی زبان اور ہونٹ وغیرہ سے آواز نکل کر ملہم کے کان میں سنائی دیتی ہے۔ ہم تو کہتے ہیں:۔ الہام کے ذریعے کان میں آواز پیدا کی جاتی ہے نہ یہ کہ خدا کے ہونٹ اس کو بناتے ہیں۔ الفاظ تو اسی ہوا کی VIBRATIONS لہروں کے ذریعے کان میں جاتے ہیں اور اعصاب کے ذریعے دماغ تک پہنچتے ہیں۔ مگر فرق یہ ہے کہ یہ الفاظ فکر کا نتیجہ نہیں ہوتے، قلبی خیالات نہیں ہوتے بلکہ بنے بنائے الفاظ خدا کی طرف سے کان میں ڈالے جاتے ہیں۔

الہام پانے والوں اور مجانین کی حالت میں فرق

یہ قاعدہ ہے کہ جو خیال باطل ہو یا وہم کا نتیجہ ہو، اس کی تصدیق صرف ایک حِس کرتی ہے۔ مثلاً وہ نظارہ جو قلبی خیالات کا نتیجہ ہو یا وہمی ہو اس کی تائید صرف آنکھ کرتی ہے۔ مگر کان اور ہاتھ اس کو جھٹلاتے ہیں۔ مثلاً اندھیرے میں کسی کو کوئی آدمی کمرے کے اندر کھڑا نظر آئے تو اگر یہ نظارہ وہم کا نتیجہ ہوگا تو اس شخص کو ہاتھ سے چھونے سے کچھ معلوم نہ ہوگا۔

قرآن کریم میں آتا ہے۔ وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا۔[۲۷] اس کا مطلب یہ نہیں کہ خدا نے زبان سے کلام کی بلکہ یہ لفظ زور دینے کے لئے اور شان کے اظہار کے لئے ہے۔ یعنی وہ ایسا کلام تھا کہ اس کی تصدیق نہ صرف کان بلکہ دیگر حواس بھی کرتے تھے۔ پس الہام کی تصدیق کئی حواس کرتے ہیں اور نہ صرف ملہم کے حواس بلکہ دوسرے لوگ بھی اس کو محسوس کرتے ہیں۔

دوسرا فرق الہام اور وہم میں یہ ہے کہ الہام پانے والوں کو دوسروں پر عقلی برتری حاصل ہوتی ہے۔ مگر وہم تو بدتر عقل والوں کو ہؤا کرتا ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تمام عرب نے گواہی دی کہ یہ شخص سب سے بڑھ کر صاحب عقل و فراست ہے۔ چنانچہ کعبہ کی تعمیر کے وقت جب سنگ اسود کو نصب کرنے پر مکہ والوں میں جھگڑا ہؤا کہ کس قبیلہ کا سردار اس کو اٹھا کر نصب کرے۔ اور قریب تھا کہ کشت و خون سے زمین سرخ ہو جائے۔ اس وقت کسی نے کہا اس نوجوان (محمد رسول اللہ) سے پوچھو۔ تو حضور نے جس عقلمندی اور موقع شناسی سے اس وقت کام کیا وہ تاریخ اسلام کے جاننے والوں پر خوب روشن ہے۔[۲۸] پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دماغ نہایت اعلیٰ تھا۔ وہم تو ایک اندرونی بات ہے اور جنون کی علامت ہے جو ایسے عقیل کے

متعلق وہم وگمان بھی نہیں آسکتا۔

تیسرے الہام پانے والوں کی اخلاقی حالت NORMAL (درست) ہوتی ہے۔ ان میں جوش اور ہیجان نہیں ہوتا۔ مگر وہمی کی حالت ABNORMAL (نادرست) ہوتی ہے۔ اس کی طبیعت میں جوش ہوتا ہے۔ بات کرتے ہوئے کانپتا ہے۔ سُرعت اور عُجلت سے کام لیتا ہے۔ ایک ہی بات کی دھن لگی ہوتی ہے۔ ایسے لوگ دوسروں سے مل کر کام نہیں کر سکتے۔ قوم بنانا، جتھہ بنانا، سوسائٹی قائم کرنا ان لوگوں کا کام نہیں ہوتا۔ کسی ماہر امراض دماغی (MENTAL SPECIALIST) سے پوچھو کہ وہمی لوگ بھی وہ کام کرسکتے ہیں جو الہام کے مدعی دنیا میں آکر کرتے ہیں۔

اس کے مقابل میں الہام پانے والوں کی طبیعت میں صبر ہوتا ہے، سکون کی حالت ہوتی ہے، گھبراہٹ نہیں ہوتی، ان میں رحم اور حلم ہوتا ہے، ان کی ہر طرف نگاہ ہوتی ہے، ہر شعبۂ زندگی پر نظر ہوتی ہے۔ ان کی تعلیم میں ہدایات ہوتی ہیں، ان کا کلام پُر حکمت ہوتا ہے، وہ دنیا کی رہنمائی کرتے ہیں، کشت وخون سے دنیا کو نجات دیتے ہیں، وہ امن کے شہزادے ہوتے ہیں اور قوموں کے درمیان صلح اور اتحاد کی بنیاد ان کے ہاتھوں سے رکھی جاتی ہے۔ اگر ان صفات والوں کو پاگل کہا جائے تو پھر ایسے پاگل تو دنیا میں سب ہی ہوں۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے: نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ - مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ -[29]

قسم ہے قلم کی اور اس کی جو وہ لکھتے ہیں۔ نہیں ہے تو اپنے رب کے فضل سے دیوانہ۔ قلم کی قسم ہے یعنی قلم کو اور ان علوم کو جو اس زمانہ میں رائج ہیں اس بات پر گواہ ٹھیرایا ہے کہ تیری باتیں مجنونہ نہیں۔ اس میں ایک پیشگوئی ہے کہ دنیا خواہ کتنی ہی علمی ترقی کر جائے، دماغی امراض کا کتنا ہی باریک مطالعہ کیا جائے، تجھ کو ہرگز مجنون ثابت نہ کر سکیں گے۔ ساری علمی کتابوں کی قسم ہے۔ سارے علوم مقابلہ پر لے آئیں، تیرے عمل کو پرکھ لیں، تیری تعلیم پر جرح کرلیں، تجھ کو ہرگز دیوانہ ثابت نہیں کر سکتے۔ تیرا عمل اس کے برعکس ہوگا۔ یعنی اس میں اطمینان ہے، اُمنگ ہے، شوق ہے، وسطی چال ہے، اعلیٰ تربیت ہے، تُو نے دوسروں کی تربیت کی، ہزاروں کاموں کی تجاویز کیں، خدا تعالیٰ کے کلام کے حقیقی معانی بیان کئے۔ کیا یہ سب باتیں مجانین کیا کرتے ہیں۔

چوتھے الہام پانے والوں کی پالیسی ہمیشہ غالب آتی ہے۔ اگر ان میں دماغی نقص ہوتا تو وہ غالب

کیوں ہوتے۔ پاگل کے کام کے نتائج نہیں ہوا کرتے۔ جنون (HALLUCINATIONS) کی تصدیق واقعات سے نہیں ہوا کرتی۔ اور پاگلوں (DELUSIONS) کی ایک بڑے سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتیں۔ مگر یہ کس طرح ہوا کہ ایک مجنون (HELLUCINATIONS) کی تمام دنیا کی تجاویز پر غالب آگئیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے مخالفوں کو چیلنج دیا کہ تم میرے مقابل پر سارے مل جاؤ، متفق ہو جاؤ، پھر بھی میری پالیسی غالب رہے گی اور مَیں ہی جیتوں گا۔ اگر یہ خدا کا کلام نہ تھا تو وہ غالب کیوں ہوا۔

یہ بات عام تجربہ اور مشاہدہ سے پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ وہ افکار جو دماغی کیفیت کا نتیجہ ہوں بڑھاپے میں جا کر کمزور ہو جاتے ہیں۔ اور حسّیں عمر بڑھنے سے کم ہو جاتیں ہیں۔ مگر انبیاء علیہم السلام میں اس کے برخلاف بڑی عمر میں جا کر زیادہ شاندار الہام ہوتے ہیں۔ اور الہام بھی زیادہ ہوتا ہے۔ یعنی نہ صرف یہ کہ الہام اکثر دفعہ ہوتا ہے بلکہ وہ اپنی کیفیت، کمیت، اور جلال میں بھی زیادہ شاندار ہوتا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ جب دماغ کمزور ہو گیا، اس میں فاسفورس مٹ گیا اور اس کے CELLS کمزور ہو گئے تو الہام زیادہ ہونے لگ گئے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ انبیاء کے الہام کسی خاص دماغی کیفیت کا نتیجہ نہیں ہوتے۔ ورنہ عام قانون طبعی کے ماتحت ان کو بڑھاپے میں کم ہو جانا چاہئے تھا۔ مگر یہاں بالکل اس کے برعکس ہے۔ ان کا الہام جوانی میں اگر ستارہ کی طرح ہو تو بڑھاپے میں سورج کی مانند ہوتا ہے جو کہ نیچر کے قانون کے خلاف ہے۔ پس ثابت ہوا کہ الہام وہم کا نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ خدا کا کلام ہوتا ہے۔

نوجوانوں سے اپیل

آخر میں مَیں نوجوانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ قطع نظر میرے مذہب کے تم بھی چونکہ اسلام کی طرف منسوب ہوتے ہو اس لئے مذہب اسلام کا مطالعہ کرو۔ قرآن کو ہاتھ میں لو اور اس پر غور کرو۔ مَیں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ سائنس مذہب کے خلاف نہیں ہے۔ کوئی سچی سائنس مذہب کے خلاف نہیں اور کوئی سچا مذہب سائنس کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی مسئلہ کے متعلق شک ہو تو اسے میرے سامنے پیش کرو۔ میں تم کو بتا دوں گا کہ کوئی سائنس کا مسئلہ اور کوئی صحیح فلسفہ اسلام کے خلاف نہیں۔ تم کو سب سے اچھا مذہب ملا ہے۔ تم اس کی قدر کرو۔ یہ وہ مذہب ہے جس کے متعلق کفار بھی رشک کرتے اور کہتے تھے کہ کاش یہ ہمارا مذہب ہوتا۔ رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ کَانُوْا مُسْلِمِیْنَ۔ [1]

اس کا تاریخی ثبوت یہ ہے کہ ایک دفعہ ایک یہودی اور ایک مسلمان کا جھگڑا تھا اور وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس فیصلہ کے لئے آئے۔ فیصلہ کے بعد یہودی نے کہا کہ مذہب تو یہ جھوٹا ہی ہے مگر ہے مکمل۔ کوئی مسئلہ نہیں جو اس میں بتایا نہ گیا ہو۔

تم اپنے مذہب کی قدر کرو اور اس کا احترام کرو۔ اسلامی روح اپنے اندر پیدا کرو۔ پھر تمام تدابیر کامیاب ہوں گی۔ تم قرآن کو ہاتھ میں لو۔ اس کا مطالعہ کرو۔ اس کو غور سے STUDY کرو۔ اس کتاب کا احترام کرو۔اس کی آیات پر ہنسی نہ کرو۔ صرف کُلُوْا وَاشْرَبُوْا [۳۱] کا مسئلہ ہی یاد نہ ہو بلکہ مذہب بھی سیکھو۔ یاد رکھو اس میں وہ علوم ہیں جو تمام دنیا کے تمدن کو ہیچ کر دیں گے۔ تم اگر اسلام کا سچا نمونہ اختیار کرو گے تو تم کو روحانی اور جسمانی دونوں امور میں دنیا پر برتری حاصل ہو گی۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا نعرہ پھر بلند ہو گا۔ اور اسلام کی حکومت آج سے تیرہ سو سال قبل کی طرح پھر دنیا پر قائم ہو گی۔ اِنْشَآءَ اللّٰہُ

(الفضل ۲، ۵، ۷، ۹۔ اگست ۱۹۳۰ء)

---

۱ مسند احمد بن حنبل جلد ۶ صفحہ ۹۱ مطبوعہ بیروت ۱۹۷۸ء

۲ الانعام: ۳۵ ۳ الاحزاب: ۶۳ ۴ یونس: ۱۰۲

۵ آل عمران: ۱۹۱، ۱۹۲ ۶ الانعام: ۲ ۷ الملک: ۳

۸ الذاریت: ۵۰ ۹ الرعد: ۴

۱۰ مسلم کتاب الطھارۃ باب حکم ولوغ الکلب

۱۱ بخاری ابواب العمرۃ باب ما یقتل المحرم من الدواب میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں "خمس من الدواب کلھن فاسق یقتلھن فی الحرم الغراب والحداۃ والعقرب والفارۃ والکلب العقور"

۱۲ مسند احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۳۹۵ مطبوعہ بیروت ۱۹۷۸ء

۱۳ ترمذی ابواب الطھارۃ باب ماجا. فی کراھیۃ ما یستنجی بہ

۱۴ بخاری کتاب الطب باب مایذکر فی الطاعون

۱۵ ترمذی ابواب الطھارۃ باب ماجا. فی السواک

۱۶ مسند احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۴۱۷ مطبوعہ بیروت ۱۹۷۸ء

۱۷ ترمذی ابواب الصلوۃ باب ماجا. فی کراھیۃ الصلوۃ بعد العصر و بعد الفجر

۱۸ مسلم کتاب الصیام باب النھی عن الصوم الدھر میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں
"لا صیام من صام الابد"

۱۹، ۲۰ بخاری کتاب الصوم باب حق الاھل فی الصوم

۲۱ المائدۃ: ۱۰۲

۲۲ ہکسلے THOMAS HENRY HUXLEY (۱۸۲۵ء-۱۸۹۵ء) انگریز حیاتیات دان اور ڈارون کا حامی۔ ڈارون کے نظریات کا محافظ ہونے کی وجہ سے زیادہ شہرت پائی۔
(THE NEW ENCYCLOPAEDIA BRITANNICA VOL:V P.229' 15TH EDITION)

۲۳ یٰس: ۸۳

۲۴ ڈارون CHARLES ROBERT DARWIN (۱۸۰۹ء-۱۸۸۲ء) ماہر موجودات (NATURALIST) جس نے طب اور مذہب کا مطالعہ کیا۔ اس کے انکشافات، مشاہدات اور تحقیقات سے ارتقاء کا وہ نظریہ قائم ہوا جو ڈارونیت (DARUINISIM) کہلاتا ہے۔
(THE NEW ENCYCLOPAEDIA BRITANNICA (MICROPAEDIA) VOL: III P.385' 15TH EDITION)

۲۵ النّٰزعٰت: ۴۵ ۲۶ الحج: ٦ ۲۷ النساء: ۱۶۵

۲۸ سیرت ابن ہشام (عربی) جلد ا صفحہ ۷۹ مطبوعہ بیروت

۲۹ القلم: ۲، ۳ ۳۰ الحجر: ۳

۳۱ البقرۃ: ۱۶۱، ۱۸۸ — الاعراف: ۳۲ — الطور: ۲۰ — المرسلت: ۴۴